[illegible]

حالاتِ جمیل

مع

انتخابِ کلام

مرتبہ

عالیجناب مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی نواب صدر یار جنگ بہادر
آنریری سکریٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

برائے اجلاس بیست و دوم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بنارس

باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی
مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوئے ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالاتِ حزیں

بنارس اور حزیں

امسال اس قدیم شہر میں دو تعلیمی کانفرنسیں اپنا اجلاس کر رہی ہیں۔ ایک آل ایشیا ہے، دوسری آل انڈیا۔ آل ایشیا کے سکرٹری نے براہ مہربانی جو اعلانات اپنی کانفرنس کا مجھکو عنایت کیا اُس میں بنارس کی خصوصیتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ یہ شہر شیخ علی حزیں کا ابدی آرام گاہ ہے۔ میری کشتۂ محبّت نظر نے اس خصوصیت میں ایک دریائے صلح و محبت موج زن پایا جو کبھی ہمارے دلوں کے کشت زار کو شاداب کر رہا تھا۔ حیف کہ آج اُس کو ہماری تشنہ لب نگاہیں چاروں طرف ڈھونڈتی ہیں اور کہیں نہیں پاتیں۔ اسی

عالمِ خیال میں فارسی ادب کی وہ دل فریب صورت نظر آئی جو صدیوں تک اس ملک کے مختلف مذہبوں اور فرقوں کی جمعیتِ خاطر اور لطفِ باہم کا شیرازہ بنی رہی تھی۔ ایک اہلِ دل نے خوب فرمایا ہے ؎

دماغِ دل درینجا گاہ گاہے چاق میگردد
خدا آباد تر سازد خراباتِ محبت را

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ علی حزیں کے حالات لکھنے سے پہلے اس داستانِ کہن کو چھیڑوں۔ شاید کسی دل کو گرما دے، چونکا دے۔

فارسی ادب فارسی کا ادبِ قدیم جو ساسانیوں کے زمانے تک ایران میں رائج تھا آج ناپید ہے۔ پرانے ادب کے شیدائی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ اُس زمانے کی کوئی تحریر ملے تو دنیا کو دکھائیں۔ مگر جہاں تک معلوم ہے نمایاں کامیابی اب تک حاصل نہیں ہوئی۔ جو ادبِ فارسی اُس زمانے کے بعد پیدا ہوا وہ پرانی فارسی اور عربی کے میل جول کا نتیجہ ہے۔ یہ میل جول کیسی گرم جوشی اور الفت اپنے اندر رکھتا تھا اس کا ثبوت وہ کتابیں ہیں جو مسلمانوں نے آتش پرست بادشاہوں، حکیموں اور اور طبقات کے حالات میں لکھیں۔ ان کتابوں میں اُن مشاہیر کا ذکر اس محبت اور اخلاص سے کیا ہے کہ اُن کے نام اور

کام روزمرہ کی زندگی کا جزبن گئے۔ رستم، افراسیاب، نوشیرواں، بزرجمہر
شیریں، خسرو، فرہاد، وغیرہ بیسیوں کے نام اور اُن کے متعلق روایتیں ہماری
زندگی کے رگ وریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ ہر موقع پر یہ نام زبانوں پر
آتے ہیں اور دلوں پر اپنا اثر چھوڑتے ہیں۔

یہی فارسی کا علم ادب جب ہندوستان میں آیا اور پھیلا تو یہاں بھی
وہی محبت اور ربط کا اثر اپنے ساتھ لایا۔ صدہا برس تک فارسی زبان ہندوستان
کی مشترک زبان رہی جس میں ہندو اور مسلمان اور مسلمانوں کے مختلف فرقے
مصروف تالیف اور تصنیف رہے ہیں۔ بے خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان نے
انگریزی عملداری کے تسلّط سے پہلے کئی سو برس تک جس قدر کتابیں فارسی میں
لکھی ہیں کسی اور زبان میں نہیں لکھیں۔ اور یہ کتابیں ہر قسم کے موضوعوں پر
لکھی گئی ہیں۔ گمانِ غالب یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوؤں نے اپنے مذہب پر
بھی فارسی ہی میں زیادہ کتابیں لکھی ہونگی۔ سنسکرت کے علوم جس قدر فارسی
میں لائے گئے شاید کسی اور زبان میں گئے ہوں۔ افسانہ، طب، موسیقی،
مذہب، حساب، نجوم وغیرہ وغیرہ بہت سے علموں کی کتابیں فارسی میں
لکھی گئی تھیں جو یا براہ راست سنسکرت کا ترجمہ تھیں یا اُس سے ماخوذ ہیں

اس کوشش میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے۔ جوالامکھی میں جو سنسکرت کا کتاب خانہ تھا اُس کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں سلطان فیروز شاہ تغلق کے حکم سے کیا گیا (تاریخ فرشتہ)۔ من جملہ اُن کے ایک کتاب "بارہی سنگھتا" تھی جو علم نجوم اور شگون میں ہے۔ اس کے فارسی ترجمہ کا ایک قدیم قلمی نسخہ میرے یہاں بھی ہے۔ طب کی کتاب "معدن الشفا سکندر شاہی" سکندر لودھی کے اشارے سے ہندی طب پر فارسی میں لکھی گئی جس کا مولف ابن خواص خاں ہے۔

سلاطین مغلیہ نے تو گویا اس کام کو سلطنت کا شعبہ ہی قرار دیدیا تھا۔ اکبر کے زمانے سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخر عہد تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حیدرآباد میں ایک فارسی مثنوی کا باتصویر نادر نسخہ میں نے دیکھا جو ہندی موسیقی کے بیان میں تھا اور جو محمد شاہ بادشاہ کے ملاحظہ میں تیاری کے بعد بمقام کابل پیش ہوا تھا۔ راجہ رتن سنگھ زخمی لکھنوی نے بعہد محمد علی بادشاہ لکھنو نئی ہیئت پر جو کتاب ۱۲۵۳ھ م ۱۸۳۸ء میں لکھی وہ فارسی ہی میں ہے جس کا نام "حدائق النجوم" ہے۔ یہ نام بہ سبیل تذکرہ لئے گئے۔ تفصیل مطلوب ہو تو صدہا نام سنائے جا سکتے ہیں۔ لاہور اورینٹل کالج کے میگزین نے حال ہی میں ہندو فارسی مولفین کی طویل فہرست شائع کی ہے۔ ان تصانیف میں جو چیز

سب سے زیادہ دل پر اثر کرتی ہے وہ اُن کی یکسانی اور یک رنگی ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں کی تصنیفیں پڑھیئے۔ طرزِ ادا، اندازِ بیاں، ترتیب اور تہذیب میں ذرّہ برابر فرق نہ پائیے گا۔ اگر ہندو مولف کی کتاب میں سے اُس کا نام نکال کر مسلمان کا نام رکھدیا جائے تو کوئی نہ کہہ سکے گا کہ یہ مسلمان کی تصنیف نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس، اگر مسلمان کی کتاب میں سے اُس کا نام نکال کر ہندو کا رکھدیا جائے تو کوئی نہ کہہ سکے گا کہ یہ ہندو کی تالیف نہیں۔

مرہٹوں کے دربار میں جو فارسی ادب کا اثر و رسوخ تھا وہ اُن الفاظ کی آمیزش سے واضح ہے جو آج بھی مرہٹی کی روح رواں ہیں۔ ایک مرہٹی پر کیا موقوف ہے۔ گجراتی، بنگالی جس ترقی یافتہ ادب کو لیجئے گا اُس کی ترقی میں فارسی ادب اور اُس کے خیالات کی برقی قوت محسوس ہوگی اس سے واضح ہو سکے گا کہ ہندوستان کی مشترکہ زندگی پر صدہا سال تک فارسی ادب نے کیا اثر ڈالا۔ اور میں کہتا ہوں کہ صرف اسی ادب نے مشترکہ زندگی پیدا کی۔ اس زندگی میں لباس، رسوم، روزمرّہ کی زندگی کی یکسانی نے مزید کشش اور گرمی پیدا کی۔ نام تک یکساں ہو گئے۔ آفتاب، الفت، شیر، فتح وغیرہ بیسیوں نام تھے جو ہندو مسلمانوں کے ہوتے تھے۔ مسلمان اپنے

ڈھب کے ہندو اپنے انداز کے ضمیمے ان الفاظ کے ساتھ لگا کر نام بنا لیتے تھے۔
ظاہر ہو کہ روزمرہ کے استعمال میں نام کا اصل جز زبانوں پر آتا ہو ضمیمہ غائب رہتا
ہو۔ منشی اور میرزا وغیرہ ایسے لقب تھے جو ہندو مسلمان دونوں میں مشترک
تھے۔ سب سے زیادہ روح پرور ادبِ فارسی کا میکدۂ ادب ہو جہاں مذہبی
بیگانگی یا عناد کا پتا نہیں۔ ہر باکمال شاعر مولانا، حکیم، حضرت کے نام سے
یاد کیا جاتا ہو۔ بڑے بڑے ضخیم تذکرے پڑھ جاؤ۔ ہندو مسلمان، شیعہ، سنّی کے
تفرقے کا کہیں پتا بھی نہ ملے گا۔ اچھا شعر کسی کا بھی ہو اس پر ہر فرقے اور
ہر ملت کے آدمی کو سر دھنتے پاؤ گے۔ اُستاد خواہ کوئی مذہب رکھتا ہو سب
شاگردوں کا مخدوم و مکرم ہو، خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں۔ ایک اُوستاد کے
جملہ شاگرد عزیز اور لختِ جگر ہیں اُن کا مذہب کچھ ہی ہو۔ مکتبوں میں ہندو مصنفوں
کی تصانیف اُسی شوق اور اہتمام سے پڑھائی جاتی تھیں جس شوق اور
اہتمام سے مسلمان مؤلفوں کی۔ لالہ نوندرائے کی دستور الصبیاں اور لالہ
مادھو رام کی انشا ہمیں نے بھی پڑھی تھی۔ ناممکن تھا کہ کوئی شاگرد مکتب
میں یہ کتابیں نہ پڑھے۔ دستور الصبیاں کی نسبت یہ مضبوط خیال تھا کہ اس کے
پڑھنے سے استعداد پیدا ہوتی ہو جس طرح کریما کے پڑھنے سے پڑھنا آجاتا تھا۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی، سراج الدین علی خاں آرزو، علی قلی خاں والہ داغستانی وغیرہ تذکرہ نویسوں کے تذکرے پڑھو اور دیکھو اپنے معاصر ہندو شعرا مثلاً رام مخلص وارستہ، ٹیک چند بہار وغیرہ کا ذکر کس محبت اور عقیدت سے کرتے ہیں۔ مرزا غالب کے رقعات پڑھ جاؤ۔ میرزا ہر گوپال تفتہ پر شیفتہ نظر آئیں گے۔ لچھمی نراین شفیق اورنگ آبادی وغیرہ ہندو مولفین کے تذکرے پڑھو اور دیکھو کہ وہ آزاد بلگرامی آرزو وغیرہ کو کس ادب اور اخلاص کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

بنگال میں جو اخبار ابتداءً جاری ہوئے اُن میں سے اکثر فارسی میں تھے چنانچہ ہندوستان کے مشہور محسن راجہ رام موہن رائے نے بھی اپنا اخبار فارسی میں نکالا تھا۔

انگریزی عملداری میں بھی سالہا سال تک سرکاری زبان فارسی رہی۔ عدالتوں کے فیصلے اسی زبان میں لکھے جاتے تھے۔ والیانِ ملک سے سرکاری خط و کتابت اسی زبان میں ہوتی تھی۔ اسی لئے گورنر جنرل اور گورنروں کے یہاں فارسی میر منشی کا عہدہ قائم تھا۔ ملک میں عام طور پر خط و کتابت فارسی میں ہوتی تھی۔ میری اسکول کی زندگی کے زمانے تک ہندو طلبا تقریباً نوے فیصدی یا اس سے بھی زیادہ دوسری زبان فارسی اختیار کرتے تھے۔

یہ تو فارسی کے وہ اثرات تھے جو براہِ راست تھے۔ اگر اُن اثرات پر نظر ڈالئے جو ضمناً ہوئے تو وہ بھی عظیم الشان ہیں۔ مذہبی خیالات کے انقلاب میں آپ ادبِ فارسی کا عظیم الشان اثر پائیں گے۔ کبیر کے ریختے اور گرونانک کا کلام اس کا شاہد ہے۔

اس تمہید کے بعد "حزیں اور بنارس" میں غیریت باقی نہ رہے گی اور اُن کے اس شہر کو اپنا مسکن و مدفن بنانے سے کسی کو تعجب نہ ہوگا۔ مرحوم حزیں کے مزار کی زیارت کرو۔ لوحِ مزار اس راز کو یوں فاش کر رہی ہے

زبان دانِ محبت بودہ ام دیگر نمی دانم ہمیں دانم کہ گوش از دوست پیغامے شنید اینجا
حزیں از پائے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم سرِ شوریدہ بر بالینِ آسایش رسید اینجا

حیف کہ یہ داستان اب پرانی ہو چکی جس کو لوگ بھول بھی گئے۔ اب نیا دور ہے نئی زندگی ہے۔ مگر زندگیِ مشترک کا پتا یہاں سے لے کر سمندر پار تک نہیں ملتا۔ ع آسودگی حرفے ست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے۔ آمدم بر سرِ مطلب

حالِ حزیں حزیں کا نام محمد علی والد کا نام ابوطالب مورث شیخ زاہد گیلانی تھے جو شاہانِ صفویہ کے مورث شیخ صفی الدین کے پیر و مرشد تھے۔ شیخ گیلانی کا انتقال ۷۰۰ھ میں ہوا۔ اُن کا وطن استا تھا جو گیلان میں

واقع تھا۔ گیلان ایران کا وہ حصہ کہلاتا تھا جو بحیرۂ خزر (کاسپین سی) کے کنارہ آباد تھا۔ اس بیان سے واضح ہوا ہوگا کہ حزیں سلاطین صفویہ کے پیرزادے تھے۔ شیخ زاہد کی اولاد میں سے کئی پشت کے بعد شہاب الدین لاہجان میں آکر آباد ہوگئے۔ جو گیلان کا دارالسلطنت تھا۔ شیخ کے خاندان میں علم اور شاعری مسلسل رہی۔ ذریعۂ معاش موروثی جائداد اور املاک تھی۔ اُن کے پردادا کا وحدت تخلص تھا شیخ بہاؤالدین عاملی کے ہم صحبت تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

خوب ست محبت اثرے داشتہ باشد معشوق ز عاشق خبرے داشتہ باشد
مُردیم ز بس ثابت و سیّارہ شمردیم آیا شب ہجراں سحرے داشتہ باشد

حزیں کے والد ابو طالب لاہجان میں پیدا ہوئے۔ بیس برس کی عمر میں علم کی تکمیل کرنے اصفہان آئے جو سلطنت صفویہ کا دارالسلطنت تھا۔ اُن کے والد کو اندیشہ تھا کہ کہیں اصفہان کی دلچسپیاں ابو طالب کو مسخر نہ کرلیں اس لئے خرچ ہمیشہ بقدر ضرورت بھیجتے تھے۔ تاہم اصفہان کی کشش غالب رہی اور ابو طالب نے والد کی وفات کے بعد اصفہان میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ حزیں نے اپنے والد کے علم و فضل کی بہت تعریف کی ہے۔ ایک وسیع کتاب خانہ اُن کے پاس تھا جس میں پانچ ہزار کتابیں تھیں۔ حزیں کا بیان ہے کہ یہ سب کی سب اُن کی پڑھی

ہوئی اور صحیح کی ہوئی تھیں۔ قریب ستّر کے کتابیں خود ان کے قلم کی لکھی ہوئی تھیں جن میں تفسیر بیضاوی، قاموس وغیرہ ضخیم کتابیں بھی شامل تھیں۔ خط بہت عمدہ تھا۔ اُن کا بیان تھا کہ ایک سے زیادہ دفعہ شب و روز میں ایک ہزار سے زیادہ سطریں میں نے لکھی ہیں۔ شعر کا بھی شوق تھا۔ ایک بار بیٹے کو خط لکھا تو اُس میں یہ شعر لکھے ؎

در دل ز فراق خستگیہا دارم ۔۔۔ در کار ز چرخ بستگیہا دارم
با ایں ہمہ غم تو نیز پیمانِ وفا ۔۔۔ مشکن کہ حزیں شکستگیہا دارم

اُن کے ذوقِ سخن کا پتا ایک اور واقعہ سے بھی ملے گا جو آگے آتا ہے۔

ابو طالب نے اُنہتر ۶۹ برس کی عمر میں ۱۱۲۷ھ میں انتقال کیا اور اصفہان میں مدفون ہوئے۔ حزیں کے دو چچا تھے دونوں عالم تھے۔ چھوٹے چچا علاوہ عالم ہونے کے ہفت قلم خطّاط اور شاعر بھی تھے۔ نمونۂ کلام ؎

بادۂ خونِ جگر ماست ز مینا مطلب ۔۔۔ گوہر از چشمِ ترِ ماست ز دریا مطلب
پے لیلیٰ نتواں گشت چو مجنوں در دشت ۔۔۔ انچہ در سینہ تواں یافت بصحرا مطلب

حزیں کی پیدایش اور لڑکپن — شیخ علی حزیں ۲۷ ربیع الآخر پیر کے دن ۱۱۰۳ھ مطابق ۱۶۹۱ء میں بمقام اصفہان پیدا ہوئے۔

اپنے والد کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ شیخ کا بیان ہے کہ بعض باتیں شیر خوارگی کے زمانے کی اُن کو یاد تھیں۔ چار برس کے ہوگئے تو بسم اللہ ہوئی ملا شاہ محمد شیرازی نے بسم اللہ پڑھائی۔ دو برس میں لکھنے پڑھنے کی استعداد پیدا ہوگئی۔ علم کا شروع سے بہت شوق تھا۔ اول فارسی کی نظم و نثر کی کتابیں پڑھیں اس کے بعد عربی صرف و نحو شروع کی۔ صرف و نحو کے بعد منطق کے چند رسالے پڑھے۔ منطق سے زیادہ ذوق تھا۔ کلام موزوں سے بہت لطف حاصل ہوتا تھا۔ خود بھی چھپ چھپ کر کہتے تھے۔ اُستاد نے سُن پایا تو منع کیا۔ سات برس کی عمر میں قرأت کا فن سیکھا۔ اس کے بعد اُن کے والد نے خود اُن کو پڑھانا شروع کیا۔ شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ نیز فقہ اور حدیث کی چند کتابیں۔ لڑکپن ہی سے شیخ خلیل اللہ طالقانی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تاکہ تہذیبِ نفس اور اخلاق کی پاکیزگی حاصل کریں۔ اس طرح تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی اہتمام تھا۔ شیخ نے کوئی کتاب اُن کو نہیں پڑھائی۔ بلکہ تعلیم کا طریقہ یہ رکھا کہ ہر روز ایک مسائلۂ علمی کی بابت کسی کتاب کی عبارت لکھوا کر اُس کا مطلب ذہن نشین کرتے۔ اسی کے ساتھ درستیِ اخلاق کی کوشش۔ موزوں طبع تھے۔ شعر کہتے تھے اس لئے شاگرد کو شعر کہنے سے باز نہ رکھتے تھے بلکہ کبھی کبھی اُن کا کلام

فرمایش کر کے سنتے۔ حزیںؔ تخلص اُن ہی نے تجویز کیا تھا۔ دیکھو کس قدر حسب حال ثابت ہوا۔ اُن کے انتقال کے بعد حزیں نے دوسرے اُستادوں سے پڑھا۔ احیاء العلوم اور مسائل اسطرلاب شیخ بہاء الدین گیلانی سے پڑھے۔ اسی عرصہ میں ابتدائی کتابیں شاگردوں کو پڑھانے بھی لگے علما کے ساتھ ساتھ شعرا کی صحبت کا بھی ذوق تھا۔ بعض کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ ایک دن اُن کے والد کے یہاں اہلِ سخن کا مجمع تھا ادھر اُدھر کی باتوں میں کسی نے ملا محتشم کاشی کا یہ شعر پڑھا

اے قامتِ بلند قداں در کمندِ تو
رعنائی آفریدۂ قدِ بلندِ تو

حاضرین نے بہت تعریف کی۔ حزیں کے والد نے کہا ملا محتشم کی اُستادی مسلم ہے مگر کلام میں نمک نہیں اور اتنی شیرینی بھی نہیں جو بے نمکی کی تلافی کر سکے حالانکہ نمک جانِ سخن ہے۔ اسی شعر پر غور کرو۔ دوسرا مصرع تو درست ہے۔ پہلے میں قامت کو اسیر کمند کہنا نامانوس ہے۔ اگر یہ ہوتا کہ "اے بلند قداں گرفتارِ کمند تو" تو کلام پسندیدہ ہو جاتا۔ یہ کہکر حزیں کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ تم نے ابھی شاعری چھوڑی نہیں۔ اس طرح میں شعر کہہ سکتے ہو تو کہو۔ حزیں نے اُسی وقت مطلع موزوں کر لیا۔ پڑھتے ہوئے جھجکتے تھے۔ والد نے دیکھ کر کہا کچھ کہا ہے تو سناؤ

شرما ئمت۔ حزیں نے پڑھا ؎

صید از حرم کشد خم جعدِ بلندِ تو　　فریاد از تطاولِ مشکیں کمندِ تو

حاضرین سن کر پھڑک گئے اور بہت تعریف کی جب تک تعریف ہو دوسرا شعر موزوں ہو گیا ؎

شد رشکِ طرز آمدنت کوئے عاشقاں　　بنشیں کہ باد خردہ جانہا سپندِ تو

اس شعر کو سن کر اُن کے والد بھی پھڑک اُٹھے اور کہا جو بات محتشم کے شعر میں نہ تھی اس میں ہی۔ حزیں نے تیسرا شعر سنایا ؎

مشکل شدہ است کارِ دل از عشق وخوش دلم
شاید رسد بخاطرِ مشکل پسندِ تو

اسی طرح پوری غزل کہکر سنا دی۔ حزیں کے والد نے خوش ہو کر اپنا قلمدان انعام میں دیا۔ شعر کہنے کی اجازت دی۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ وقت ضائع نہ کیا جائے۔

اب مختلف مذاہب کی تحقیق کا شوق ہوا۔ علمائے طبقۂ نصاریٰ اور اُن کے پادری (حزیں نے یہی لفظ استعمال کیا ہی) اصفہان میں کثرت سے تھے اُن سے ملے اور مل کر اُن کی استعداد کا اندازہ کیا۔ ایک کو زیادہ قابل پایا

جس کا نام خلیفہ آوانوس تھا اور جو عربی فارسی بھی اچھی جانتا تھا اور منطق ہیئت و
ہندسہ میں ذی استعداد تھا اور بعض اسلامی کتابوں سے واقف تھا۔ حزیں نے
باہمی اعتماد کے بعد اُس سے انجیل پڑھی اور شروح دیکھیں۔ غرض مذہب عیسوی
کی بخوبی تحقیقات کی۔ پادری نے اُن سے اسلام کے مسائل کی تحقیق کی یہودیوں
سے بھی ملے مگر اُن میں علم کم، جہل زیادہ پایا۔ شعیب نامی اُن کے ایک عالم سے
توریت پڑھی۔

علمی مصروفیتوں میں ایک نیا کرشمہ پیش آیا۔ شاعری کے خیالی مضامین نے
حقیقت کا جامہ پہنا۔ ایک زیبا شمائل پر فریفتہ ہو گئے۔ آشفتگی نے
قلب و دماغ میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ رقیبوں کی کثرت نے پریشانی کو
اور بڑھایا۔ ایک روز دوستوں کے ساتھ ایک باغ میں گئے علی کو سازی
نے کہ اور کمالات کے ساتھ خوش آوازی و نغمہ سرائی میں ماہر
روزگار تھے آدھی رات کو ساز درست کر کے یہ شعر گانا شروع کیا ؎

امشب بیا تا در چمن سازیم پُر پیمانہ را
تو شمع و گل را داغ کن من بلبل و پروانہ را

آسانی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ شعر سُن کر ایک سوختہ جاں پر

کیا گزری ہوگی۔ حزیں نے لکھا ہے کہ میرا یہ حال تھا کہ ہزار بار کالبدِ خاکی کو سلطانِ روح نے خالی کر کر دیا۔ صبح تک یہی ترانہ تھا۔ تھوڑی دیر کو چپ ہو جاتے۔ پھر یہی شعر گاتے۔

مصیبت تنہا نہیں آتی۔ امراضِ قلبی کے ساتھ جسمانی بیماریوں کا حملہ ہوا۔ وجع مفاصل میں مبتلا ہو گئے۔ ایک طبیب نے علاج شروع کیا۔ تیسرے روز خود ہی موت کا شکار ہو گئے۔ حزیں نے ایک غزل لکھی جس کا مطلع ہے ؎

بجرمِ عشق اگر کُشتی مرا ممنونِ احسانم
گناہِ زاہد بیدرد یا رب چیست حیرانم

مرضِ ظاہری سے تو دو مہینے بعد نجات مل گئی۔ باطنی مرض کا انجام کیا ہوا اس کے اظہار سے شیخ کا قلم ساکت ہے۔ معذوریِ مرض کے زمانے میں مونسِ تنہائی شعر گوئی تھی۔ یہ کہتے دوسرے لکھتے۔ قصائد و غزلیات و رباعیات کا سات آٹھ ہزار شعر کا سرمایہ جمع ہو گیا تھا۔ اس سرمایہ سے پہلا دیوان مرتب ہو گیا۔ اب شعر گوئی کی طرف طبیعت کا میلان بڑھ گیا۔ اپنے معاصرین میں حزیں نے عبدالغنی تفرشی کی سخن فہمی کی بہت تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"درنکتہ پروری وسخن رسی نظیرا درا ندیدہ ام"

"جوشِ بہار وخرمی روزگار" کا زمانہ تھا۔ ایک دن دوستوں کے ساتھ جنگل میں نکل گئے۔ وہاں گھوڑ دوڑ میں گھوڑا گرا۔ سیدھے ہاتھ کی ہڈی کچل گئی۔ ایک سال تک مبتلائے تکلیف رہے۔ اس زمانے میں بائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ حالت مصیبت واندوہ میں اشعار بکثرت کہے۔ من جملہ اُن کے ایک ساقی نامہ تھا جس کا آغاز ہے

خدایا توئی آگہ از راز و بس   بہشت از تو دارند پاکاں ہوس
من و ہستی و کنج میخانۂ   بہ آزادیم خطِ پیمانۂ

صحت کے بعد حزیں اپنے والد کے ساتھ وطن قدیم لاہجان گئے راستے میں والد سے الٰہیات، شرح تجرید اور زبدۃ الاصول پڑھی۔ اسی سفر میں قم اور قزوین بھی گئے۔ ایک سال لاہجان رہے رسالہ مقدمۃ الحساب اپنے چچا سے پڑھا۔

لاہجان کے متعلق حزیں نے حسب ذیل خیال ظاہر کیا ہے:

"ولایت گیلان خصوصاً شہر لاہجان سبزی و خرمی

اور معموری۔ کثرتِ گل و لالہ اور کثرتِ چشمہ زار و
انہار اور ہجوم اشجار اور میوہ جات سرد سیر اور
گرم سیر کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ نامور شہر
بلند عمارتیں اور زبردست قلعے اُس میں قدیم زمانے سے
ہیں۔ اس ولایت میں اکثر تین تین بادشاہ فرماں روا
رہے ہیں۔ شکار بّری اور بحری کثرت سے ہے۔
آدمی ذہین، پرہیزگار، غریب نواز ہیں۔ البتہ بحرِ خزر
کے قرب کی وجہ سے ہَوا خراب ہو کر وبا پھیل جاتی ہے
شبنم کی کثرت کی وجہ سے آسمان کے نیچے سونا
دشوار ہے۔"

موروثی املاک اور جائداد کا انتظام کرکے اُن کے والد واپس آئے
یہ بھی ہمرکاب تھے۔ واپسی میں بھی چند رسالے ہیّت کے پڑھے
اصفہان پہنچ کر وہاں کے علمار کی صحبت میں تحصیلِ علم میں مصروف
ہوگئے۔ حسب ذیل کتابیں پڑھیں۔ تفسیر بیضاوی، جامع الجوامع طبری

امورعامہ شرح تجرید۔ استبصار شیخ طوسی۔ شرح لمعہ۔ مشتقیہ۔ منطق تجرید
نجات شیخ الرئیس۔ فصوص الحکم شیخ ابن عربی۔ شرح ہیاکل النور
اسی زمانے میں طب کا شوق ہوا۔ کلیات قانون وغیرہ حکیم مسیحا سے پڑھی
مگر اُن کے والد نے منع کیا کہ کثرتِ محنت سے بدن گھُلا جاتا ہی۔ صرف
ضروری علوم پر محنت کرنی چاہیئے۔ ریاضیات میں شرح تذکرہ، تحریر
اقلیدس، تحریر مجسطی اور قوانینِ حساب اور بعض اور رسالے ہیئت کے
دو سال تک پڑھے۔

سفرِ شیراز چند احباب کے ساتھ والدین سے اجازت لے کر
حزیں اصفہان سے شیراز گئے اور وہاں کے
علما سے تحصیلِ علم کی۔ مدرسہ شاہ محمد شیرازی میں قیام کر کے
اصول کافی شاہِ موصوف سے پڑھی۔ اُن کی عمر ایک سو بیس[۱۲۰]
برس کی تھی جو سب کی سب علم کی خدمت میں صرف ہوئی۔ شیخ
کی حاضریِ شیراز کے زمانے میں اُن کا انتقال ہوا۔
آقا حسین خوان ساری کے شاگرد اخوند مسیحائی کاشی سے طبیعات شفا

الٰہیات شرح اشارات اور حاشیۂ قدیمہ و جدیدہ پڑھے۔ مولانا لطف اللہ سے
حدیث پڑھی۔ مولانا محمد باقر سے تلویحات شیخ اشراق اور تھوڑا سا قانون پڑھا
اور علماء و فضلا کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا۔ حزیں شیراز کی آب و ہوا کی لطافت
کے قائل نہیں۔ کاش اس کو سعدی و حافظ سُن پاتے۔ البتہ اعتدال ہوا کو مانا
ہے۔ خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ شیراز کی آب وہوا دماغ کے لئے خصوصاً قوی
ہے۔ کتنا ہی مطالعہ کرتے دماغ تھکتا نہ تھا۔ بقول حزیں وہاں آبادی اور آسودگی
کی کثرت تھی۔ مسجدوں اور مدرسوں اور دوسرے بافیض مقاموں سے آباد
و معمور تھا۔

شیراز سے حزیں اُس کے نواح بیضا میں گئے۔ اس پرگنے میں بہت سے
پُر رونق دیہات تھے جو آب وہوا کی تازگی و پاکیزگی میں مشہور تھے۔ شکارگاہیں
خوب تھیں اور عمارتیں خوشنما۔ حزیں عرصے تک وہاں رہے۔ فضلا کی صحبت
میں پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ امورِ عامہ شرح تجرید پر حاشیہ
رسالۂ تحقیق غنا اور رسالۂ منطق وہاں لکھے۔ مجوسیوں سے ملاقات کا موقع
ملا۔ دین مجوسی کے اصول و فروع کی دستور سے تحقیقات کی۔ یہیں حزیں نے اپنا
علمی کشکول جمع کرنا شروع کیا جو ۱۱۳۵ھ تک جمع ہوتا رہا۔ بالآخر اصفہان کی

تباہی میں کتابخانہ کے ساتھ ضائع ہوگیا۔ شیخ کو آخر عمر تک اس کا صدمہ رہا۔

حزیں نے شیراز سے فسا کا (جو فارس کا گرم سیر حصہ ہے) اور فسا سے گازرون کا سفر کیا۔ گازرون میں شیخ الاسلام شوشتانی شیرازی کی خدمت میں حاضر رہے اُن کے تقدس اور ولایت کی حزیں نے بہت تعریف کی ہے۔ گازرون سے شوستان اور جہرم گئے وہاں سے داراب۔ اس مقام میں رسالۂ لوامع مشرقیہ وحدت الوجود کی تحقیق میں اور چند اور رسالے الہیات کے نکات میں لکھے۔

داراب سے لار کا سفر کیا اور وہاں کے علماء و فضلا سے ملے لار سے بندر عباس گئے۔ وہاں مکہ معظمہ کے جانے والے جہاز تیار تھے حج کے ارادہ سے یہ بھی روانہ ہوئے۔ سفرِ دریا کی مشقت سے بہت بیزار ہیں شاعروں کا دماغ ایک ہی ہے۔ حافظ نے بھی سفرِ دریا سے گھبرا کر کہا تھا ؎

بس آسان می نمود اول غمِ دریا بہ بوئے دُر
غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد

جہاز سے اُتر کر دریائی چوروں سے سابقہ پڑا مال سب اُن کے نذر ہوا۔ یہ مسکت (مسقط) پہنچے ایک مہینہ ٹھہر کر آرام لیا۔ اسی میں حج کا

زمانہ ختم ہوگیا۔ واپس ہوئے بحرین آئے وہاں سے وطن ایران پہنچکر فارس کے سردسیر مقامات کی سیر کی اُس کے بعد شیراز پہنچ گئے یہاں والد کا خط ملا جس میں وہ رباعی درج تھی جو ہم نے اوپر لکھی ہے۔ اُس خط کو پڑھکر حزیں یزد ہوتے ہوئے اصفہان کو روانہ ہوئے۔ حزیں نے یزد کو عراق کے نفیس شہروں میں لکھا ہے۔ وہاں علاوہ مسلمان علماء کے ایک مشہور مجوسی منجم رستم نامی سے ہمنشینی رہی۔ منجم مذکور کے پاس مجوسی اور اسلامی حکمت کی بہت سی کتابیں تھیں۔ اشمرت مجوسی کی رصد (زیچ) اُس کے پاس تھی جس کی بنیاد کیومرث کی پیدائش کے سنہ پر تھی۔ حزیں کا بیان ہے کہ اُس میں بہت سے قصور و نقصان تھے۔ رستم ہیئت، نجوم رمل، حساب اور ضوابطِ رصد میں ماہر تھا۔

اصفہان پہنچکر والدین اور احباب سے ملے۔ علمی مشغلوں میں مصروف ہوگئے۔ اپنا دوسرا دیوان مرتب کیا۔ والدین نے شادی کا تقاضا کیا مگر یہ راضی نہ ہوئے اور ساری عمر مجرد رہے۔ اس عرصے میں چند رسالے اور کتابیں لکھیں منجملہ اُن کے حاشیہ الٰہیات شفا اور حاشیہ شرح ہیاکل النور بھی تھے۔ اسی قیام اصفہان کے دوران میں حزیں کے والد کا انتقال ہوا

ان کی عمر اُس وقت چوبیس برس کی تھی دو برس کے بعد والدہ نے رحلت کی۔ ان صدموں سے حزیں اصفہان چھوڑکر شیراز چلے گئے۔ اس زمانے سے سمجھے کہ حزیں کی پریشانی اور مصیبت کا آغاز ہو گیا۔ شیراز میں بھی پریشانی رہی شعرگوئی سے دل بہلاتے رہے۔ وہیں تیسرا دیوان مرتب کیا۔ جو تین چار ہزار اشعار کا مجموعہ تھا۔ اسی پریشانی میں اصفہان کو مراجعت کی۔ چونکہ ایران کے انقلاب کا زمانہ اب قریب آچکا تھا اس لئے اُس وقت کے ایران پر ایک اجمالی نظر ڈال لیجائے تو مناسب ہو گا۔

ہمارے اوپر کے بیان سے واضح ہو گا کہ علی حزیں نے ایران کے مختلف حصے بچشم خود دیکھے تھے اور اُن کو موقع ملا تھا کہ اپنے مشاہدے کے مطابق ملک مذکور کی حالت کا اندازہ کر سکیں۔ ہم جس زمانے کی حالت لکھنا چاہتے ہیں وہ سلطنتِ صفویہ کا وہ دَور تھا جس میں اگلوں کی محنت اور جانفشانی کی برکتیں پچھلے حاصل کرتے ہیں۔ ملک ستانی اور قوت کا دور سو برس ہوئے ختم ہو چکا تھا۔ امن واَماں کے دور نے بادشاہ سے لیکر فقیر تک ملکی سے لیکر فوجی تک سب کو راحت طلب اور آسایش کا بندہ بنادیا

تھا۔ قریباً سو برس سے تلوار بھی میان میں آرام کر رہی تھی۔ شہروں سے لیکر دیہات تک آباد اور پر رونق تھے۔ سامان عیش وعشرت کی فراوانی تھی۔ علم اور علما کے برکات سے ملک کا گوشہ گوشہ فیض یاب تھا۔ اور بقول حزیں ایران کا کمال نظر بد کے لئے تیار تھا۔ میرزا سودا نے کیا خوب کہا ہے ؎

آتشِ گل بے طرح دہکے ہی اے ابرِ بہار
آشیاں میرا چھڑک لگتی ہی اب گلشن کو آگ

دار السلطنت کا نقشہ حزیں نے اِن الفاظ میں کھینچا ہے۔ "اصفہان میں اسقدر علما اور فضلا تھے کہ اگر اُن کی فہرست لکھی جائے تو طوالت ہو جائے گی۔ ہوا معتدل قوی اور لطیف، پانی خوشگوار، عمارتیں بلند، شہر پُر رونق شاندار، سامانِ ناز و نعمت کی کثرت۔ انسانی دماغ اور بدن کی تکمیل گویا اس شہر کی خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت تھی۔ ہمیشہ علما اور اکابر اور ہنرمند اور اُولوالعزم آدمی اس شہر میں پیدا ہوتے رہے۔" حسنِ معیشت داران برائے فقیر و غنی و مسافر و مجاور یکساں و تحصیل ہر کمالے و ہر گونہ نعمتے میسر و آسان۔" وہاں کے باشندے فراست اور ذکاوت مروت سخاوت اور شجاعت میں ممتاز

مدرسے اور معبد بیشمار۔ سلاطین ہوشمند دین پرور۔ اور امراء و علما کے فیضِ تربیت سے عوام تک عمدہ رسوم اور قوانین کے بالطبع پابند تھے۔ حزیں کا یہ محبوب ایران اور اصفہان تھا جن کی تباہی اُن کو اپنی آنکھ سے دیکھنی تھی۔ مغرب سے قندھار کے افغانوں نے محمود خاں کی سرکردگی میں حملہ کیا۔ اصفہان فتح کیا۔ شاہ کو قید کر لیا۔ مشرق سے ترکوں نے حملے کئے۔ شمال میں رُوس نے۔ اِس حملے کی زد میں حزیں کی موروثی املاک اور جائداد بھی آگئی جو ذریعۂ معاش تھی۔ اندازہ کر لو کہ اس طرح تین طرف سے زبردست حملہ آوروں کے پنجے میں آکر اُس ملک پر کیا گذری جو گل و بلبل کا وطن تھا۔ تفصیل دیکھنا چاہو تو حزیں کے خود نوشتہ حالات پڑھلو۔ اسی دورِ انقلاب میں وہ جوانمرد پیدا ہوا جس کا نام نادر شاہ ہے۔ سپاہی سے شاہی تک تمام مدارج طے کئے۔ خاندانِ صفویہ کا نام و نشان مٹا دیا۔ متوسلین تک فنا ہو گئے۔ شیخ کا تو پیرزادگی کا تعلق تھا۔ خلاصہ یہ کہ عرصۂ دراز تک مصیبتیں جھیلکر ایران چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

[illegible]

۱۲ اسی عرصہ میں شیخ نے حج کی ایک اور کوشش کی۔ پہلے کی طرح ناکام رہے

تیسری مرتبہ ۱۱۴۴ھ میں بندر عباس سے سورت آئے سورت سے جدہ پہنچکر مکۂ معظمہ میں داخل ہوئے اور سعادتِ حج سے مشرف - اس سے پہلے عراق کا سفر کر چکے تھے - اور کربلائے معلّٰی اور نجفِ اشرف کی حاضری کی سعادت حاصل - نجفِ اشرف میں تین سال تک حاضر رہے - ایک کلام مجید اپنے ہاتھ سے لکھ کر نذر کیا - وہاں کے کتابخانہ کی نسبت لکھا ہے " در کتابخانۂ سرکار آنحضرت چنداں از ہر فن کتبِ اوائل و اواخر جمع بود کہ تعداد آں نتوانم" اُن کا چوتھا دیوان اس سفر سے پہلے مشہدِ مقدس میں مرتب ہو چکا تھا - اوپر میں نے کہا تھا کہ حزیں ایران چھوڑنے پر مجبور ہو گئے - ایران چھوڑنے پر وہی ملک پیشِ نظر تھا جہاں اُن سے پہلے ہزاروں ایرانی آکر فیضیاب ہو چکے تھے اور وہ ہمارا ہندوستان جنت نشان تھا - سلیم طہرانی کہتا ہے ؎

نیست در ایراں زمیں سامانِ تحصیلِ کمال

تا سوئے ہندوستاں نامد حنا رنگیں نشد

یہ یاد رکھو کہ حزیں مصائب کا شکار ہو کر ہندوستان پہنچے تھے مصیبتوں کے دور سے پہلے آرام و اطمینان سے علم و شعر کے ذوق میں عمر بسر کر چکے تھے - معاملاتِ دُنیا سے اُن کو تعلق نہ رہا تھا - جو اُن کو ناگوار واقعات میں ہمت و استقلال کا عادی بنا دیتے - اس کا قدرتی نتیجہ ہے کہ اُن کی

تحریروں میں خواہ نثر ہوں خواہ نظم ہندوستان سے بیزاری اور نفرت کا اظہار گویا جانِ سخن ہے۔ اُن کی اس تلخ نوائی میں حالات کی اصلی صورت نظر کے سامنے نہیں آتی۔ مگر خوش قسمتی سے بعض معاصرین کی تحریریں ہمارے سامنے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان نے مہمان نوازی میں کوتاہی نہیں کی۔ تفصیل موقع پر واضح ہو گی۔

خلاصۂ کلام۔ حزیں ایران کو خیرباد کہہ کر بندر عباس آئے۔ وہاں سے رمضان ۱۱۴۶ھ کو روانہ ہو کر یکم شوال کو کراچی کے پیشرو ٹھٹہ میں پہنچے جو اُس وقت ایران سے آنے والوں کے لئے ہندوستان کا بندر تھا۔ علی قلی خاں داغستانی (والہ تخلص تذکرۃ الشعراء کے مؤلف) جو اس سفر میں بعض نازک موقعوں پر شیخ کے آڑے آچکے تھے، حزیں سے دس روز پہلے ٹھٹہ پہنچ چکے تھے۔ دونوں مل کر دلی روانہ ہوئے۔ سفر کبھی ساتھ ساتھ کبھی آگے پیچھے طے ہوا۔ اسی سفر میں بمقام بھکر میر غلام علی آزاد بلگرامی بھی حزیں سے ملے۔ اتفاق سے دونوں قریب قریب ہی فروکش ہوئے تھے۔ اس لئے خوب ملاقاتیں رہیں۔ شیخ نے اپنے قلم سے اپنا کلام لکھ کر آزاد کو دیا۔

دلّی میں عرصہ تک مقیم رہ کر حزیں لاہور گئے۔ وہاں پہنچے تھے کہ نادر شاہ کی آمد کی خبر مشہور ہوئی۔ حزیں کو دلّی واپس آنا پڑا۔ پیچھے پیچھے لشکرِ نادری بھی آپہنچا۔ حزیں نادر کی واپسی تک والہ داغستانی کے مکان میں چھپے رہے۔ نادر کے واپس ہونے پر دوبارہ لاہور گئے۔ وہاں صوبہ دار زکریا خاں تھے۔ بعض اسباب ایسے پیدا ہوئے کہ وہ حزیں کے درپئے آزار ہو گئے۔ والہ داغستانی نے پھر مدد کی۔ اپنے بھائی کو لکھا۔ انھوں نے حزیں کو بہ عافیت دلّی پہنچا دیا۔ قیامِ دہلی کے زمانہ میں شیخ نے اپنے حالات ۱۱۵۴ھ میں لکھے ہیں۔ خزانۂ عامرہ اور مخزن الغرائب سے واضح ہوتا ہے کہ عمدۃ الملک امیر خاں نے محمد شاہ بادشاہ سے سفارش کر کے حزیں کے واسطے سیر حاصل جاگیر مقرر کرادی جس کی آمدنی سے آرام سے بسر ہونے لگی تھی۔ کم لاہوری نے "مردم دیدہ" میں لکھا ہے کہ ایک لاکھ درم سالانہ کی جاگیر تھی۔ مخزن الغرائب میں چالیس ہزار روپیہ سالانہ ہے۔

مخزن الغرائب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاگیر مذکور آگرہ کی نواح میں تھی۔ شاہجہاں کے بعد ہندوستان میں صحیح ذوقِ شعری کا بلکہ تمام فنونِ لطیفہ کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ہندوستان کے فارسی گو

شعرا اپنے آپ کو ایرانی ذوق سے آزاد کر چکے تھے۔ آزاد وغیرہ کا کلام اس کا شاہد عادل ہے۔ اگر حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے خریطۂ جواہر نے ٹکسالی ذوق کو تازہ نہ کر دیا ہوتا تو دہلی مرحوم کی آخری بہار میں غالب و آزردہ نوا سنج نظر نہ آتے۔ ہندیوں کا دعوائے کمال شیخ کی نازک مزاجی و خود پسندی صحبت بے لطف ہو گئی۔ شیخ نے ہجو لکھی۔ ہندیوں نے اُن کے کلام پر اعتراضوں کا طومار باندھ دیا۔ خان آرزو نے تنبیہ الغافلین لکھی۔ ثابت الٰہ آبادی کے بیٹے ثبات نے بھی مقابلہ کیا۔ مولوی امام بخش صہبائی نے تنبیہ الغافلین کے اکثر اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ قول فیصل میں دلی میں اس کشمکش کی کیفیت والہ داغستانی نے اپنے تذکرہ میں مفصل لکھی ہے۔ حزیں کو موردِ الزام قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ باوجود ان کے ہجو لکھنے کے دربار و امرا کی طرف سے جو سلوک اُن کے ساتھ تھا اُس میں کبھی فرق نہیں آیا۔ حزیں چودہ[۱۴] برس دلی میں رہے۔ بالآخر وہاں سے سنہ ۱۱۶۲ھ میں ترکِ سکونت کر کے اکبر آباد پہنچے۔ وہاں سے بنارس۔ بنارس سے عظیم آباد

حاکم لاہوری کا بیان ہے کہ بنگالے کا سفر بقصد حج کیا تھا۔ عظیم آباد سے پھر بنارس آ گئے۔ اور آخر تک وہیں رہے۔ اپنے واسطے مدفن تیار کرا لیا تھا۔ بنارس ہی میں حاکم لاہوری حزیں سے ملے تھے۔ لکھتے ہیں۔ پہلی ہی صحبت میں بہت تپاک سے ملے۔ کلام سنانے کی فرمائش کی۔ میں ساتھ نہ لے گیا تھا۔ رخصت کے وقت تاکید کی کہ کل صبح ضرور آنا "کہ چچہ والے باہم خوردہ شود (بنارس کی دل مندی نے آخر حزیں کو اپنا مسخر کر ہی لیا) کلام بھی ساتھ لانا۔ چنانچہ دوسرے دن میں گیا۔ چند تازہ غزلیں ساتھ لیتا گیا۔ غور سے سن کر خوش ہوئے۔ "تحسین ہائے بلیغ نمود" کھانے کے بعد دیر تک صحبت رہی۔ چلتے وقت ایک ورق اپنے تازہ کلام کا دیا۔
مخزن الغرائب کی شہادت ہے کہ ہندو اور مسلمان یکساں بنارس میں اُن کی عزت کرتے تھے۔

بالآخر ستتر برس کی عمر میں گیارھویں جمادی الاول کی شب کو ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء کو بمقام بنارس رحلت کی۔ مقبرہ فاطمان میں جو پہلے سے تیار کر لیا تھا مدفون ہوئے۔ آزاد بلگرامی

نے تاریخ کہی ؎

علامۂ عصر و شاعر خوب　　افسوس کہ از میانہ برخاست

تاریخ وفات او نوشتم　　از فوت حزیں حزین دل ماست

سرلوح پر یہ عبارت بخط نسخ خوشخط درج ہے:۔

اللہ - یا محسن قد اتاک المسئ

العبد الراجی رحمۃ ربہ محمد المدعو بعلی ابن ابی طالب الجیلانی

روایت ہے کہ یہ خط شیخ کا نوشتہ ہے قیاس بھی یہی ہے پائین لوح پر یہ مطلع شیخ کا ثبت ہے،

روشن شد از وصال تو شبہائے تار ما　　صبح قیامت ست چراغ مزار ما

دونوں پہلو میں یہ دو شعر ہیں، تینوں کا خط اچھا نہیں ؎

زبان دانِ محبت بودہ ام دیگر نمی دانم　　ہمی دانم کہ گوش از دوست پیغامی شنید اینجا

حزیں از پائے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم　　سرِ شوریدہ بر بالینِ آسائش رسید اینجا

قصبۂ مارہرہ کے ایک وقائع نگار نے چشم دید لکھا ہے کہ وفات کے بعد شیخ کے ایک ہندو شاگرد نے مزار کے قریب ایک سہ دری تعمیر کرا کے حافظ مقرر کر دیئے تھے جو ثواب پہنچانے کے لئے قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

ان حالات کا ماخذ حسب ذیل کتابیں ہیں:



(۱) حزیں کے خود نوشتہ حالات۔ جو مطبع نولکشور لکھنؤ میں کلیات کے ساتھ چھپ گئے ہیں۔ یہ حالات حزیں نے دلّی میں ۱۱۵۴ھ میں لکھے تھے۔

(۲) خزانۂ عامرہ

(۳) سروِ آزاد از میر غلام علی آزاد بلگرامی

(۴) مردم دیدہ از حکیم بیگ خاں حاکم لاہوری (جن شعرا سے ملاقات ہوئی اُن کا حال لکھا ہے۔)

(۵) ریاض الشعرا علی قلی خاں والہ داغستانی۔

(۶) مخزن الغرائب مؤلفہ احمد علی ہاشمی سندیلوی

(۷) تاریخ عالم آرائی عباسی از سکندر منشی

(۸) حالات حضرت شاہ اچھے صاحب مارہرہ از عنایت الٰہی کنبوہ

لوحِ مزار کے اشعار میں نے خود دیکھ کر لکھے ہیں۔

کلامِ حزیں

شیخ علی حزیں کے کمال کا معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ والہ داغستانی نے لکھا ہے:

"بیانِ واقعی آنست کہ شیخ دریں خرد زباں سر آمد سخنورانِ عالم است"

آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ میں کہتے ہیں:

"زبان او از غایتِ صفا بآبِ زلال میماند و کلام او از نہایت
آبداری نسبت بسلک لآلی می رساند"

اوپر پڑھ آئے ہو کہ شیخ کے چار دیوان مرتب ہوئے تھے۔
آج جو دیوان ہاتھوں میں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ
چوتھا دیوان ہے مگر اُس میں وہ کلام بھی شامل ہے جو ترتیبِ دیوان
کے بعد ہندوستان میں آکر کہا۔ اس لئے کہ بہت سے اشعار
اُس میں اس مُلک کے متعلق موجود ہیں۔ منشی نولکشور نے
گوناگوں جو احسان فارسی ادب پر کئے ہیں اُن میں سے
ایک بڑا احسان کلیاتِ حزیں کی اشاعت ہے۔

میرے کتاب خانہ میں مطبوعہ نسخہ کے علاوہ دو ضخیم
کلیات اور ہیں جن کا کلام مطبوعہ نسخہ سے زیادہ ہے چنانچہ
حسب ذیل اعداد ثابت کرتے ہیں۔

نسخہ قلمی عـ ۸۴/۳۲

نسخہ قلمی عـ ۸۴/۳۴

نسخہ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور کانپور ۱۸۹۳ء

نمبر شمار	مضامین	نسخہ قلمی ۴۸/۳۲	نسخہ قلمی ۴۸/۳۴	نسخہ مطبوعہ نولکشور کانپور سنہ ۱۸۹۳ء
۱	غزلیات	۱۴۷۲	۱۴۴۴	۹۰۹
۲	قصائد	۴۷	۴۶	۴۰
۳	مثنوی	۷	۷	۶
۴	قطعات	۴۵	۴۱	۳۹
۵	رباعیات	۴۸۵	۴۸۴	۲۶۷
۶	تاریخ و مراثی	۲۰	۰	۴

فہرستِ بالا سے واضح ہوگا کہ قلمی نسخوں میں مطبوعہ سے ہر صنف کا کلام زیادہ ہے۔ نسخہ قلمی ۴۸/۳۲ سنہ ۱۲۳۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اور دوسرا نسخہ ۴۸/۳۴ سنہ ۱۱۴۵ھ کا۔ کاتب بسمل شاہ۔ یہ نسخہ شیخ علی حزیں کی زندگی میں اُن کی وفات سے ۳۲ برس پہلے لکھا گیا ہے۔ ان دونوں نسخوں میں حزیں کا لکھا ہوا دیباچہ اور خاتمہ موجود ہیں۔ البتہ حالاتِ حزیں اور تذکرۂ معاصرین ان میں نہیں ہیں۔ جو مطبوعہ میں ہیں اور بہت قیمتی ہیں۔ فہرست بالا سے واضح ہوگا کہ حزیں کے دیوان میں

ہر قسم کا کلام وافر ہے۔ بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ سوائے غزل کے اور کوئی کلام ایسا نہیں جس کی بنیاد پر شیخ کا پایۂ شاعری بلند مانا جائے۔ قصیدہ اور مثنوی میں نہ متقدمین کا زورِ کلام ہے نہ متاخرین کی سحر آفرینی و دل آویزی اگرچہ شیخ نے اپنے حالات میں حسب عادت مثنویوں کی جا بجا اُن کے تالیف کے بیان میں تنا و صفت کی ہے۔ انتہا یہ کہ مثنوی خرابات کی (جو بہ جواب بوستانِ سعدی لکھی ہے) تعریف میں بھی الفاظ "مطالبِ عالیہ و سخنانِ دلپذیر" لکھے ہیں۔ مگر کجا بوستاں کجا خرابات۔ ع

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

صرف غزل میں حزیں کا پایۂ سخن اُستادی تک پہنچا ہوا ہے۔ مناسب ہوگا کہ اس موقع پر چند لفظ غزل کی بابت کہے جائیں۔ غزل کے معنے لغت میں عورتوں سے کلام کرنے کے ہیں۔ اور یہ صنفِ کلام مضامین حُسن و عشق کے ساتھ مخصوص ہے۔ کلامِ عرب میں قصیدہ کی تشبیب سے غزل کا کام لیا گیا ہے۔ فارسی کلام میں غزل ابتداء سے ہے۔ مگر اُسی مرتبے میں جس کو ابتدائی کہا جائے۔ غزل کو غزل سعدی اور خسرو نے بنایا۔ درد اور سوز و گداز سے آشنا کیا۔ حُسن و عشق کے معاملات روزمرہ کی بجلیاں

گرائیں۔ جس طبقے سے حافظ کا تعلق ہے اُس نے مستی و قلاشی کا علم بلند کیا۔ مولانا جامی کے دور میں الفاظ کی شیرینی و صفائی جوہرِ کلام رہی جو بالآخر ذوقِ سلیم کو محظوظ کرنے سے قاصر ہو گئی۔ بابر اور جہانگیر کے مرتبے کے نقاد فن اس کے مؤید ہیں۔ اب وہ طبقہ عالمِ وجود میں آیا جس کی سحر نگاری نے غزل کو دلفریبی و جاں نوازی کے چار چاند لگا دیے۔ اس قافلے کا سالار بابا فغانی شیرازی تھا۔ اُس کے بعد کے تمام شعرا اُسی کے طرز کے پیرو ہیں۔ اگرچہ ہر اُستاد اپنی اپنی شان جدا رکھتا ہے۔ حزیں خاتمۃ الباب تھا۔ یہ غزل گویوں کا بارہواں طبقہ تھا۔ اس طرح حزیں پر غزل گوئی کا خاتمہ ہو گیا۔ اگر قاآنی کا کوکبۂ کمال بلند نہ ہوا ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ فارسی شاعری کا خاتمہ حزیں پر ہو گیا۔

گورستان فاطمان میں جو قبر ہے اُس کو محض حزیں کا مدفن نہ سمجھیو وہ فارسی غزل کا مدفن ہے، بلکہ شاعری کا ؎

ہمارے بعد بہت روئے ہم کو اہلِ وفا
کہ اپنے مٹنے سے اہلِ وفا کا نام مٹا

اس دور کی خصوصیات۔ ادابندی۔ شوق کی بیتابی۔ کلام کی نزاکت۔ زبان کی صفائی۔ اور خیال کی پاکیزگی نفسانی جذبات سے کنارہ کشی (بلحاظ اکثر)

اِن اوصاف کی بدولت اکثر کلام سرحدِ مجاز سے بڑھ کر میدانِ حقیقت میں جا پہنچتا ہے۔ خود فغانی نے گویا اپنی طرز کا مرقّع اس شعر میں کھینچا ہے ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

ایک اور فغانی کا پیرو کہتا ہے ؎

حسابی یار می آید بآئینے کہ میدانی
ترا دیدار ارزانی کہ من از خویشتن رفتم

شیخ علی حزیں کی زبان کی بابت تم آزاد بلگرامی کا قول سُن چکے ہو۔ "بآب زُلال می ماند" اُن کی زندگی کا مرقع سوز و گداز و شکستگی ہے۔ علمی فضائل حُسن لیے اُن کی مدد سے شعرائے ماضیہ کے اندازِ کلام اور خصوصیات کو اُستادانہ سمجھا تھا خلاصہ یہ کہ پاکیزگی زبان سوز و گداز۔ حُسن کی داستان۔ اور گزشتہ اساتذہ کے طرز ہائے خاص کی مینا کاری کلام حزیں کا انداز ہے۔ مرزا غالب دہلوی نے جن پانچ اُستادوں کو اپنا رہبر مانا ہے اُن میں حزیں اس شان سے جلوہ افروز ہیں۔ "شیخ علی حزیں بخندۂ زیر لبے راہ رَویہائے مرا بنظرم جلوہ گر ساخت"۔ حافظ کی مستی۔ سعدی کا درد۔ فغانی کی ادابندی۔ جامی کی

فصاحت یہ جملہ اوصاف تم اُن کے کلام میں عیاں دیکھو گے۔ ہم نے اس مضمون کے دوسرے حصہ میں چند غزلیں مسلّم اور کچھ انتخابی اشعار نقل کیے ہیں۔ اُن سے ہمارے قول کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ نمونہ کے طور پر یہاں بھی سُن لو:-

ساقی قدحے درده از خود بستان ما را — مستانہ بگو رمزے بکشا نے معمّا را

ظلمتکدۂ عاشق زاں چہرہ منور کن — تا چند بروز آرم تاریکیِ شبہا را

از غنچۂ لب بکشا سے با مرده دلاں حرفے — یکرہ بدم احیا کن اعجازِ مسیحا را

خورشید نہاں گردد در دودِ کباب دل — از رُخ چو برافشانی آں زلفِ سمن سا را

پنہاں زنظر گیری از شیخ و برہمن دل — در پردہ چو بنمائی آں حسنِ دل آرا را

گفتی غمِ ما خواہی دل بند و زجاں بگسل — اینک دل و جاں بستاں بیعانۂ سودا را

در ساغرِ ہشیاراں ایں نشأ نمے گنجد — حیرت زدگاں دانند آں عارضِ زیبا را

چوں سایہ بخاک افتد تب لرزہ بر اندامش — گر سروِ چمن بیند آں قامتِ رعنا را

جائیکہ برقص آید طور از ارِنی گفتن — مستانِ لقا دانند بیہوشیِ موسا را

از خود چو نظر بندی دلدار نماید رو — بیدار دلاں دانند فیضِ شبِ یلدا را

اے قاضی اگر خواہی بگذر ز توجیہ را حِیَل — در آتشِ می درزن این دفترِ فتوا را

تا خود نہ کند فنائی صوفی نشود صافی ‏ ‏ اثبات بخود کردم از نفیِ خود الاّ را

شد عین ہمہ عالم آں دلبرِ پنہانی ‏ ‏ فرقے نتواں کردن از اسم مسمّا را

خواہم کہ نفرسائی جاں از غمِ ہجرانم ‏ ‏ اغفرلی وارحمنی نادیتک غفّار را

با مغبچگاں بستی پیوند حزیں آخر

تا در سرِ مَی کردی سجّادۂ تقویٰ را

مست صہبائے الستم یا علی ‏ ‏ از مئے توحید مستم یا علی

حبسِ تن بر مرغِ روحم تنگ بود ‏ ‏ ایں قفس در ہم شکستم یا علی

کس بمن بیگانہ تر از من نبود ‏ ‏ ز اختلاطِ غیر رستم یا علی

چوں دلِ من خلوتِ خاصِ تو بود ‏ ‏ در بروئے غیر بستم یا علی

ہیچ نقصانِ مرا از مرگ نیست ‏ ‏ آنچہ بودم باز ہستم یا علی

از حجابِ جسم بیروں آمدم ‏ ‏ آخر ایں سد را شکستم یا علی

در سماعِ عشق محفل گرم بود ‏ ‏ چوں سپندا ز جائے جستم یا علی

خضرمی باید کہ تعمیرم کند　　　　من ہماں دیوار پستم یللے

در خراباتِ مغاں بیخود حزیںؔ

خوش بکامِ دل نشستم یللے

علامہ شبلی نے شعرالعجم میں حزیں کا ذکر نہیں کیا۔ کاش حزیں کا یہ شعر اُن کے کان تک پہنچ جاتا ؎

کیفیتِ صہباست بجامِ سخنِ من

اے بادہ گساراں برسانید دماغے

انتخابِ کلامِ خیرؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتخابِ کلامِ حزیں

دفا پیشگان و ستمگاراں خدا را
بگوئید آں یارِ دیرِ آشنا را

کہ بیگانگی تا کے و چند ظالم
چہ شد مہربانی چہ آمد وفا را

شگفتہ است نرگس بہارِ سرشکم
بہ بیں در برم رشکِ گلگوں قبا را

قدم رنجہ فرما و بنشیں بہ چشمم
گرہ باز کن ابروئے دل کشا را

بصیدِ دلِ ناتواں آشنا کن
ستمگارہ مژگانِ تیغ آزما را

میاں باز کن با دلِ جمع بنشیں
پریشاں فگن سنبلِ مشک سا را

تواں گاہے از پرسشے یاد کردن
اسیرانِ زندانِ مہر و وفا را

حدیثے سوال از منِ بے زباں کن
سخن یاد دہ بلبلِ بے نوا را

دل آسودگاں قدرِ محنت ندانند | غمِ عشق ما را سلامت شما را
دریں بزم گفتم بگوشِ سپندی | کہ گرمردِ عشقی نگہدار ما را
چنیں داد پاسخ کہ در بزمِ گیتی | کسے گرم ہرگز نکردہ است جا را
سخن گرم از خاموشی بلبلے گفت | کہ نتواں نہفت آہِ دردآشنا را

نفس گرم می آید از پردۂ دل
حزیں آتشے ہست در سینہ ما را

طرۂ ناز را دوتا کرد کہ کرد یار کرد | دل بدو عالم آشنا کرد کہ کرد یار کرد
کعبۂ و دیر میکدہ ساخت کہ ساخت یار ساخت | کافر و رند و پارسا کرد کہ کرد یار کرد
در دلِ شیخ و برہمن ہست کہ ہست یار ہست | جلوہ بخویش و آشنا کرد کہ کرد یار کرد
نائے و نای عاشقاں بود کہ بود یار بود | سازِ مرا بایں نوا کرد کہ کرد یار کرد
قہر بلطف آشتی داد کہ داد یار داد | عجز نیاز آشنا کرد کہ کرد یار کرد
از نگہے کہ سر زد از گوشۂ چشمِ فتنہ خیز | سطِ ہزار مدعا کرد کہ کرد یار کرد
مہر بجا وفا بجا داشت کہ داشت یار داشت | جور بجا جفا بجا کرد کہ کرد یار کرد
رندی و عشق و میکشی در گِلِ ما سرشتہ است | دیرِ مغان دل بنا کرد کہ کرد یار کرد
جلوۂ ناز قامتی کرد چنیں قیامتے | ایں ہمہ فتنہ را بپا کرد کہ کرد یار کرد

بستهٔ زلفِ مشک ساختهٔ چشمِ فتنه زا　　رفتهٔ جلوهٔ رسا کرد که کرد یار کرد

خیلِ کرشمه از قفا غارتِ شاه و بینوا　　جانِ دل و عالمش فدا کرد که کرد یار کرد

خلعتِ عشق بر قدم دوخت که دوخت یار دوخت　　خرقهٔ زهد را قبا کرد که کرد یار کرد

عقل و شکیب و دین و دل برد که برد یار برد　　جان ز طلسمِ تن رها کرد که کرد یار کرد

دل بکمندِ صد بلا بست که بست یار بست　　ناخنِ غم گره گشا کرد که کرد یار کرد

جانِ نظاره مست را سوخت که سوخت یار سوخت　　از سرِ کوی خود جدا کرد که کرد یار کرد

بادهٔ عشق در گلم ریخت که ریخت یار ریخت　　جامِ جهان نما مرا کرد که کرد یار کرد

نردِ وفا بعاشقان باخت که باخت یار باخت　　دینِ وصال ما ادا کرد که کرد یار کرد

برق بخرمن آشنا ابر بگلشن آشنا　　اشک بدامن آشنا کرد که کرد یار کرد

رفت حزینِ محو راه هرچه ز دیده یار رفت
زار و فگار و مبتلا کرد که کرد یار کرد

طاقِ میخانهٔ مستان خمِ ابروی تو بود　　صافِ پیمانهٔ عرفان رخِ نیکوی تو بود

خسرویها بهوایت دلِ مسکینم کرد　　گنجِ باد آوردِ من خاکِ سرِ کوی تو بود

صبحِ دیوانهٔ آن چاک گریبان می گشت　　شب سیه مست خیالِ خطِ هندوی تو بود

دلبران در خمِ زلفِ تو گرفتار انند　　آفتِ شیر شکاران شکنِ موی تو بود

نشاید در طینتِ می چشم فسوں بیا زت ریخت | ساقیِ میکدہ ہا نرگسِ جادوئی تو بود
شیشہ بودیم کہ صہبائی تو بیروں زد رنگ | دیدہ بودیم کہ ہمراہِ صبا بوئی تو بود
کارِ آشفتہ دلاں راست بایمائی تو شد | شب کہ محرابِ دعا قبلۂ ابروئی تو بود
سرو قداں ہمہ در سایۂ دیوارِ تو اند | چشمِ آہو نگہاں محوِ سگِ کوئی تو بود

شب کہ در بتکدہ نالیدی از اخلاص حزیں
حق پرستاں ہمہ را گوش بہا ہوئی تو بود

چوں شاخِ گل از بادِ سحر بار فشاندم | در دامنِ مطرب سرو دستار فشاندم
بنیادِ ہوس ریخت زپاکوفتنِ دل | بر ہر دو جہاں دست بیک بار فشاندم
فیضِ کرمِ ابر بہ سیہ کاسہ چہ باشد | مژگانِ ترِ خویش بگلزار فشاندم
تا از مژہ خالی نہ بود مائدۂ خوں | مشتِ نمکے بر دلِ افگار فشاندم
جبریل بایں مرگ بمردست کہ جاں را | پروانہ صفت در قدمِ یار فشاندم
از حوصلۂ دل قدرے بیشتر آمد | خونابۂ اشکے کہ بناچار فشاندم
از فیض تہی بود کنارِ گل و نسریں | دامانِ نقاب تو بگلزار فشاندم
کردم بچمن یاد بہارِ خطِ سبزت | در بسترِ نسرین و سمن خار فشاندم
شرمندۂ کس نیستم از کلک چو نیساں | یکساں گہرِ خود بہ گل و خار فشاندم

از شکوہ غرض مرحمتِ یار حزین نیست
گردیست کہ از خاطرِ افگار فشاندم

مطرب بہ نے بسنج کہ از جا برون رویم — تا دستِ دل گرفتہ ز دنیا برون رویم
در رقصِ شوق خردۂ جاں از پئے نثار — بر کف نہیم و چوں شرر از جا برون رویم
عاشق بشہر بندِ خرد چوں بود بیا — دیوانہ دار روئی بہ صحرا برون رویم
اوراقِ رنگ و بوئی ببادِ فنا دہیم — از زیر منتِ چمن آرا برون رویم
یوسف بوصلِ زالِ جہاں تن نمی دہد — دامن کشاں ز چنگِ زلیخا برون رویم
مستانہ جلوہ ہائے جنوں راہ می زند — از قیدِ عقلِ سرخوش و شیدا برون رویم
شبنم صفت بذیل و لائی زنیم چنگ — زین خاکداں بہمتِ والا برون رویم
این خاکمال قطرۂ مارا سزا بود — مارا کہ گفتہ بود ز دریا برون رویم
شہرے تمام طالبِ سودائے یوسفند — ما ہم بیا بعزمِ تماشا برون رویم
در پردہ ہیچ ازین نتواں جامِ می زدن — ساغر زناں ز میکدہ رسوا برون رویم
مارا برنگِ غنچہ دل از گلستاں گرفت — چوں لالہ سینہ چاک بصحرا برون رویم

این مے حزین افاضۂ مینائے جامی ست
بر کف گرفتہ جامِ مصفّا برون رویم

من صبر ز مژگانِ سیہ تاب ندارم
لب تشنۂ تیغم بہ گلو آب ندارم

در خانۂ غارت زدہ را باز گزارند
تا روئے تو رفت از نظرم خواب ندارم

آسودہ ام از کعبہ و آزادہ ام از دیر
جز قبلۂ ابروئے تو محراب ندارم

جائے کہ نگاہِ تو بود حاجتِ مَی نیست
پروائے چراغِ شب مہتاب ندارم

عشق آمد و من ہمسفرِ خانہ بدوشاں
ویراں کدۂ در خورِ سیلاب ندارم

گر رفت گلِ اشکِ دلِ خوں شدہ دریاست
آں نیست کہ خارِ مژہ سیلاب ندارم

خشک ست دماغِ من و ذوقِ چمنم نیست
مخمورم و پروائے مَیِ ناب ندارم

آرام حزیں از دلِ من شورِ لبت برد
چشمِ نمک انباشتہ ام خواب ندارم

رفتیم و بآں قامتِ رعنا نہ رسیدیم
ما جلوہ پرستاں بہ تماشا نہ رسیدیم

چوں موج سراسیم دریں وادیِ خونخوار
ہر چند تپیدیم بہ دریا نہ رسیدیم

افسوس کہ ما در طلبِ گم شدۂ خویش
بسیار دویدیم و بخود وا نہ رسیدیم

از عقل بریدن بہ تمنائے جنوں بود
از شہر گزشتیم و بہ صحرا نہ رسیدیم

اعجازِ لبت بود علاجِ دلِ بیمار
ما در نصیباں بہ مسیحا نہ رسیدیم

انگور نہ شد غورۂ ما خام سرشتاں
از تاک بریدیم و بہ مینا نہ رسیدیم

گشتیم بسے دامنِ صحرائے جنوں را — یک رہ بدلِ بادیہ پیما نہ رسیدیم

بستیم حزیں از حرم و بت کدہ محمل
امّا بدرِ کعبۂ دلہا نہ رسیدیم

در آبِ دیدہ یا در سینۂ پُر آذر اندازم — دلِ بیمارِ خود را بر کدامیں بستر اندازم
جہاں افسردہ شد اے عشق خوں آشام اشارت کن — کہ ایں دل مردگاں را در رگِ جاں نشتر اندازم
کفِ خاکسترِ تفسیدہ ام در کارِ محشر کن — کہ دوزخ در بہشت و العطش در کوثر اندازم
دلِ نامہربانت کینۂ عاشق چرا دارد — اگر رسمِ وفا عیب ست از عالم بر اندازم
قدح پیمائے من داری اگر ذوقِ کبابِ دل — بفرما تا ز داغِ دوستی بر اخگر اندازم
بساطِ عشقبازاں گرمیِ ہنگامہ میخواہد — تو چوگاں کن کمندِ زلف را تا من سر اندازم
غبارِ دل بود تا کے کہن ویرانۂ دنیا — بگو تا کارِ عالم را بمژگانِ تر اندازم

حزیں از عشق دارم در رگِ جاں گرمیِ خونے
کہ در شمشیرِ قاتل پیچ و تابِ جوہر اندازم

چقدر ز کلک و نامہ خبرِ نہاں فرستم — بتو نالہ سنج خواہم نئے استخواں فرستم
گلِ سجدۂ کہ زیبد سرِ عرش تکیہ گاہش — ز نیاز جبہہ سایاں بتو سرگراں فرستم
نہ شود اگر بسینہ رہ قاصدِ نفس گم — دو سہ حرفِ خونچکانی بتو ارمغاں فرستم

ز معاشران دیرین نکند وفا فراموش | قدحی بپارسایان ز می مغان فرستم

به دو روزه عشق بازی ز بلند همتیها | به ذخیره سازی دل غم جاودان فرستم

نه زنم بچین گیستی سر زلف آه شانه | چه طرازم آتشی را که به نیستان فرستم

ادبم نه می گذارد پئی عذر میگساری | که بخاک بوس تو به لب می چکان فرستم

نه دهم بجیب دل جا رگ و ریشهٔ هوس را | بعطیهٔ خار خشکی چه به گلستان فرستم

غزلی حزین شگفته ز بهار طبع رنگین
به مشام بو شناسان گل بی خزان فرستم

بود تا چند در دل حسرت آن خوش بر و دوشم | هلال آسا کشد خمیازهٔ خورشید آغوشم

بیاد دامنی از خاک بردارد شهیدان را | قیامت جلوه افتاد است شمشاد قبا پوشم

شب افسانهٔ زلفش ندارد گرچه کوتاهی | بخواب بیخودی نگذارد آن صبح بناگوشم

کند جام نگاهش باده در جام هوسناکان | سیه مست تغافلهای آن عاشق فراموشم

سراسر می رود مژگان شوخش در رگ دلها | خراب هوشمندیهای آن چشم قدح نوشم

حزین! ز درد و صاف کفر و دین از بس سیری
درین میخانه خوبین مشربم با جمله در جوشم

من آن غارتگر جان می پرستم | غم جان نیست جانان می پرستم

ز نہ پیرِ ہستیِ من گرد برخاست
ہماں آں نامسلماں می پرستم

چنانم والۂ آں شعلۂ طور
کہ آتش گاہِ گبراں می پرستم

بر آمد گرچہ از پروانہ ام دود
ہنوز آں آتش عذاراں می پرستم

دمید از تربتم صبحِ قیامت
ہماں چاکِ گریباں می پرستم

چنانم بے خود از شہدِ شہادت
کہ زہر آلودہ پیکاں می پرستم

زمیں گیرِ فنا شد دانۂ من
ہنوز آں برق جولاں می پرستم

سرم سودائے جمعیت نہ دارد
من آں کاکل پریشاں می پرستم

جنوں گرد استخوانم سرمۂ ناز
ہماں چشمِ غزالاں می پرستم

بگلبانگِ پریشاں دادہ ام دل
خروشِ عندلیباں می پرستم

برہمن سرد شد از آتش پرستی
ہماں رخسارہ خوباں می پرستم

محبت رامن آں دیوانہ پیرم
کہ بازی گاہِ طفلاں می پرستم

عبث زاہد میارا بزمِ تقویٰ
کہ طرزِ می پرستاں می پرستم

کجا پروانہ باگلبن کند خو
من ایں آتش عذاراں می پرستم

مرا اندیشۂ تعمیرِ دل نیست
کہ جغدم ملکِ ویراں می پرستم

نگردد دیدہ ام آلودۂ خواب
کہ صبحِ پاک داماں می پرستم

درونِ جاں ندارم غیرِ جاناں | من آں جانم کہ جاناں می پرستم
براہِ انتظارش دیدہ شد چوں | ہنوز آں سست پیماں می پرستم
بچشمم در نمی آید صفِ حور | من آں صہبائی مژگاں می پرستم
خلد خارم بدل از مخملِ گل | قماشِ گل عذاراں می پرستم
ز خویش و آشنا بیگانہ را | بزعمِ خود پرستاں می پرستم
سخن از خاطرم یک عقدہ نگشود | اشاراتِ خموشاں می پرستم

حزیں از کوریٔ خفّاش طبعاں
من آں خورشیدِ تاباں می پرستم

ساقی دمِ صبوح ست خورشیدِ جام گرداں | دورِ زمانہ یک دم حسب المرام گرداں
بے می زلالِ کوثر زہر ست در رہ ما | تلخ ست کامِ جانہا عیشے بکام گرداں
مہرِ جہاں فروزی فیضت گراں ندارد | از می ہلالِ ساغر ماہِ تمام گرداں
دردے بجامِ لعلی بر خاکِ عاشقاں ریز | رخسارِ بوالہوس را سجادہ فام گرداں
بے بادہ شہرِ ہستی امن و اماں ندارد | بغداد خطّۂ جام دارالسّلام گرداں
در مشربِ فتوت مَی را حلال کردی | در مذہبِ مروّت غم را حرام گرداں
یک جرعہ می رساند از فرش تا بعرشم | خاکی نہادِ خود را عالی مقام گرداں

کلکم ز نغمه چون نی میزاب رحمتِ تست — دل را بحرمتِ مے بیت الحرام گرداں

رندی و مستیم را شاہد پرستیم را — مشہود خاص کردی معلوم عام گرداں

با جانِ سخت عاشق گر کار زار خواہی — تیغ جگر شگافی از غمزہ وام گرداں

در حلقۂ ارادت کشور گدائے عشقیم — گیہان خدائے حسنی ما را غلام گرداں

در عشقِ شوخ چشماں رم خوردگانِ عقلیم — وحشی نگاہ خود را یک لمحہ رام گرداں

شبہای تیرہ روزاں نوراں رخ صباح کردی — تاریک روز ما را زاں طرہ شام گرداں

کنعانیاں ببوئے از مصرِ حسن شادند — پیغمبرِ صبا را فرخ پیام گرداں

خونِ حزینِ بسمل از غمزہ ریز داورا
در محضرِ قیامت فرخندہ نام گرداں

اے طلعتِ ہمیں بر آں آئینۂ رخسارِ تو — صبحِ بناگوشش تابِ یک پرتو انوارِ تو

شد ملکِ دلہا سر بسر از طرہ ات زیر و زبر — گبر و مسلمان خیرہ سر در حلقۂ زنارِ تو

شبہائے ہجراں تتمۂ از بختِ ظلمت زای من — صبحِ قیامت لمعۂ از پرتوِ دیدارِ تو

یارب ندانم چون بود حالِ دلِ بیگانگاں — با شد نسیمِ آشنا سرگشتہ در گلزارِ تو

ای شمعِ بزم افروزِ من جان منظرِ زیبائیت — ای مہرِ اختر سوزِ من دل مشرقِ انوارِ تو

اشکِ ندامت ترالۂ از دامنِ صحرائے من — برقِ تجلی لالۂ از سینۂ کہسارِ تو

با من تو ئی شب تا سحر من مست خواب بیخبر | خوش آنکه می آرد بسر با دولت بیدار تو
نقدِ دلِ اہلِ وفا آنجا ست قلب ناروا | نوبت کجا افتد بما در گرمیِ بازار تو
وصلِ تو اے آرامِ جاں باشد بهشت عاشقاں | ہرگز نباشد دوزخی جز دوری از دیدار تو
گر من مسلماں نیستم گبرِ درِ خویشم بخواں | عمریست می بندم میاں با رشتۂ زنار تو
دل عاشق و شیدا کند چون عشق ہیں حاشا کند | عاشق چساں سودا کند با طرۂ طرار تو
گلگشتِ کویت چوں بود یارب کہ می آید مرا | خوشتر ز مژگاں در نظر خارِ سرِ دیوار تو

دارد حزینِ خستہ جاں نامِ خوشت ورد زباں
سنجد سحر با بلبلاں ایں نغمہ در گلزار تو

دو خصم دادہ بہم دست وایں فگار یکے | یکے تو دشمنِ جانی و روزگار یکے
بخونِ من دو زبردست ہمزباں شدہ اند | نگاہِ مست یکے، چشمِ میگسار یکے
دو فتنہ گر بکمینِ دل رمیدۂ ماست | کمند طرہ یکے زلفِ تابدار یکے
یکے دو کردہ غمم را فریب وعدۂ تو | بلائے ہجر یکے دردِ انتظار یکے
نہ در دلے و نہ در دیدۂ خراب مرا | از یں دو خانہ نیامد ترا بکار یکے
نیم بہ ہجرِ تو تنہا دو ہمنشیں دارم | دلِ شکستہ یکے جانِ بے قرار یکے
بہ عندلیبِ چمن نوبتِ فغاں نرسد | حدیثِ جورت اگر گویم از ہزار یکے

کنوں ز سلسلہ جنباں بود جنونِ مرا / خطِ عبیر شمیمت سیکے بہار یکے

خدنگہائے تغافل خطا نمی گردد / ز شستِ غمزہ ات ای نازنیں سوار یکے

گدا و شاہ بہ تنہائی از جہاں رفتند / دریں دیار بیاری نہ شد دوچار یکے

بدہر الفت و انصاف نیست یاراں را / یکے حریفِ نشاط است و سوگوار یکے

ز گردِ حادثہ میدانِ روزگار پُر است / خدا کند کہ برآید ازیں غبار یکے

ز بزمِ وصلِ حزیں ایں قدر خبر دارم
کہ بیخودانہ سرم داشت در کنار یکے

خصم آسودگیم اے غمِ جاناں مددے / داغِ جمعیتم اے زلفِ پریشاں مددے

عقدہ ہا پیشِ رہ از آبلۂ پا دارم / دستم و دامنت اے خارِ بیاباں مددے

رنگِ زردی بشراب از رخِ من نتواں برد / چہ کنم گر نکند سیلیِ اخواں مددے

ہست دل را سرِ مستانہ بخوں غلطیدن / چشم دارم کہ کند عشوۂ پنہاں مددے

خار خار است شبِ ہجرِ تو در پیرہنم / بہ تغافل مزن اے شعلۂ عریاں مددے

جلوہ گر نبود کوششِ موسیٰ چہ کند / سخت سرگشتہ ام اے آتشِ سوزاں مددے

چوں زناں حجلۂ تن چند نشیمن سازم / سخت درماندہ ام اے ہمتِ مرداں مددے

دل بہ ظلمت کدۂ ہند غریب افتادست / چہ شود گر رسد از شاہِ غریباں مددے

چند در شام زنند غوطه صفائی صبحم — دمِ یاری بود اے گردشِ دوراں مددے

تا بکے خوں بدلم هند جگر خوار کنند — جرعهٔ نوشِ توام ساقیِ مستاں مددے

سخت از پردهٔ ناموس تنگ ست حزیں

گِل رسوائیم اے چاکِ گریباں مددے



حیات آں به اشمارم کز خودی بستاندم ساقی — بجامے می فروشم شربتِ خضر و مسیحا را

کرد ازدردِ سرم گوشهٔ عزلت فارغ — خاکِ ویرانهٔ ما صندلِ پیشانیِ ما

دردلِ تنگ بود جلوهٔ جانانِ ما را — یوسفے هست دریں گوشهٔ زندانِ ما را

نبود لائقِ حسن ایں همه بے پروائی — دادِ دل گر نتواں داد مدارائے هست

تهمت آلودهٔ عیشیم که گلشن نه دیدیم — پر و بالے نکشودیم که صیاد آمد

گردن بزن بسوز ز بخش جسم و جان زیست — چو شمع فارغیم ز سود و زیانِ خویش

تا هوا ابرست ساقی باده در شیشه کن — قدرِ فرصت را بداں از آسماں اندیشه کن

تا چند حزیں بدشت گردی — اے خانه خراب خانه ات کو

زاں لبِ شکّر فشاں غنچه بجاں داریم ما — یک نیستاں ناله در هر استخواں داریم ما

تا نفس باقی ست از مهر و وفا خواهیم گفت — ایں نصیحت را ز یارِ مهرباں داریم ما

جنوں را کارہا باقی ست با مشتِ غبارِ ما
کہ بازی گاہِ طفلاں می شود خاکِ مزارِ ما

بَرد جلوۂ گل جانبِ گلزار مرا
می بَرد نالۂ مرغانِ گرفتار مرا

از کوئے غم آوازِ حزینے کہ شنیدی
نالیدنِ دل بود ندانم چہ بلا داشت

بشگاف دلم را کہ لبالب شدہ از خوں
ایں عقدہ بیک جنبشِ مژگانِ تو بستہ است

از کدامیں چمن ایں سروِ خراماں برخاست
کز پیش عمرِ ابد بر زدہ داماں برخاست

فتنۂ روزِ جزا در قدمِ جلوۂ اوست
با قیامت قدِ او دست گریباں برخاست

حرفے از لعلِ لبِ او بحکایت گفتم
خضرِ لب تشنہ ز سرچشمۂ حیواں برخاست

حیرت از ہجرِ تو نگذاشت خبردار شوم
ہمچناں دیدہ بر دیت نگرانست کہ بود

نگہِ رنگینِ ترا از گل میکند رنگے کہ او دارد
ز دل صد پردہ نازک تر بود حرفے کہ او دارد

سینۂ ورد و دماغِ آشفتہ و خاطر پریشانم
چنیں می پرورد بختِ مرا مو‌ئے کہ او دارد

جبینِ کعبہ و دیر است بر خاکِ نیازِ او
چہ محراب ست یا رب طاقِ ابروئے کہ او دارد

دلِ آزادہ با خدا باشد
ذکرِ نسیانِ ماسوی باشد

میرسد بر نفس نسیمِ وصال
خنک آں دل کہ آشنا باشد

خیالِ نرگسِ پیمانہ پیما بود در چشمم
ہنوز از بادۂ دوشینہ دل کیفیتے دارد

دی شب کہ چشمِ مستِ تو خاطر نواز بود
تا صبح بر رخم درِ میخانہ باز بود

خوشا دمے کہ مرا دیدہ از غبار بر آید — زگردِ ہستیم آں نازنیں سوار بر آید

یک تبسم کردی و شورِ جہاں شد آشکار — جلوہ گر گشتی حیاتِ جاوداں آمد پدید

جاں ہمی میداز الفتِ تن تا تو رفتی از میاں — آمدی تا در کنار آرامِ جاں آمد پدید

نشیند خیالِ تو در گوشۂ دل — چو یوسف کہ در کنجِ زنداں نشیند

زکف در عاشقی سررشتۂ دانش رہا کردم — ولے من کافرم گر سبحہ از زنار میدانم

روئے کہ جلوہ کرد کہ حیرانم ایں چنیں — زلفے کہ دیدہ ام کہ پریشانم ایں چنیں

بر لب رسید جان و نیامد بہ پرسشم — جاں آں چناں ترحمِ جانانم ایں چنیں

ساقی مئے عارفانہ ات کو — جانِ ازلی جاودانہ ات کو

مارا سرِ تاجِ خسروی نیست — پائے خمِ خسروانہ ات کو

از شکر و شکایت خموشم — گیرم شنوی سخن زباں کو

اے آنکہ غمِ ہجر کشیدن نتوانی — ترسم کہ رخش بینی و دیدن نتوانی

چوں خود اگر عشوہ گری داشتے — از دلِ زارم خبرے داشتے

پیالہ می کشم امشب بہ طاقِ ابروئے — سبو کشانِ خراباتِ عشق را ہوئے

در باغ می سراید بر مرغ بانوائی — دارد دمِ بہاراں پیغامِ آشنائی

چو چشمِ آئینہ حیرانم از جمالِ کسے — پری بہ شیشۂ دل دارم از خیالِ کسے

ہجر در دامن گل ریختہ خارے عجبے   گلبنِ حسرتِ ما کردہ بہارے عجبے

کردہ است بہارے عجبے خارِ بیاباں   از دشت گزشتست مگر آبلہ پائی

ساقی قدح کہ دورِ گلزار گزشت   مطرب غزلے کہ وقتِ گفتار گزشت

